بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6860

سورۃ الجمعہ (62)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترکیب

(آیت۔1) اَلۡمَلِكِ سے اَلۡحَكِيۡمِ تک سارے اسماء لِلّٰہِ کی صفت ہونے کی وجہ سے حالت جرّ میں ہیں۔ (آیت۔3) وَاٰخَرِيۡنَ گزشتہ آیت میں فِي الۡاُمِّيّٖنَ کے فِيۡ پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ (آیت۔6) باب تفعل اور باب تفاعل میں فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ اور فعل امر میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ، دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ یہاں فَتَمَنَّوُا باب تفعل سے ہے اور بظاہر اس میں بھی دونوں امکان ہیں لیکن آیت کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ فعل ماضی نہیں ہے بلکہ فعل امر ہے۔

ترجمہ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الۡاَرۡضِ	الۡمَلِكِ
تسبیح کرتی ہے اللہ کی	(ہر) وہ چیز جو آسمانوں میں ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے	جو بادشاہ ہے

الۡقُدُّوۡسِ	الۡعَزِيۡزِ	الۡحَكِيۡمِ ①	هُوَ الَّذِيۡ بَعَثَ	فِي الۡاُمِّيّٖنَ	رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ
پاک ہے	بالادست ہے	حکمت والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے بھیجا	اَن پڑھ لوگوں میں	ایک ایسا رسول ان میں سے جو

يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ	وَيُزَكِّيۡهِمۡ	وَيُعَلِّمُهُمُ	الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ
پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں	اور تزکیہ کرتا ہے ان کا	اور تعلیم دیتا ہے ان کو	اِس کتاب (قرآن) کی اور دانائی کی

وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ	لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۙ②	وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ	لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ
اور بیشک وہ لوگ تھے اس سے پہلے	یقیناً ایک کھلی گمراہی میں	اور کچھ ایسے دوسرے لوگوں میں ان میں سے جو	ابھی تک نہیں ملے ان سے

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ③	ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ	يُؤۡتِيۡهِ	مَنۡ يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ④
اور وہی بالادست ہے حکمت والا ہے	یہ اللہ کا فضل ہے	وہ دیتا ہے وہ (فضل)	اس کو جسے وہ چاہتا ہے	اور اللہ بڑے فضل والا ہے

مَثَلُ الَّذِيۡنَ	حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ	ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا	كَمَثَلِ الۡحِمَارِ	يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ
ان لوگوں کی مثال جن سے	اٹھوائی گئی تورات	پھر انہوں نے نہیں اٹھایا اس کو	اس گدھے کی مثال کی مانند ہے	جو اپنے اوپر لادتا ہے کچھ کتابیں

بِئۡسَ	مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ	كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ	وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِي	الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ⑤
کتنی بری ہے	اس قوم کی مثال جنہوں نے	جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو	اور اللہ ہدایت نہیں دیتا	ظلم کرنے والے لوگوں کو

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	هَادُوۡۤا	اِنۡ زَعَمۡتُمۡ	اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ	مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ
آپ کہہ دیجئے اے وہ لوگو جو	یہودی ہوئے	اگر تم کو زعم ہے	کہ تم لوگ دوست ہو اللہ کے	(دوسرے) لوگوں کے بجائے

فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ	اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ⑥	وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ	اَبَدًا	بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ
تو تم لوگ تمنا کرو موت کی	اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو	اور یہ تمنا نہیں کریں گے اس کی	کبھی بھی	بسبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦	قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ	تَفِرُّوْنَ مِنْهُ	فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ
اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو	آپؐ کہیے بیشک وہ موت	تم لوگ بھاگتے ہو جس سے	تو یقیناً وہ ملاقات کرنے والی ہے تم سے

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ	اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	فَيُنَبِّئُكُمْ	بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧
پھر تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	شہادہ اور غیب کے جاننے والے کی طرف	پھر وہ جتلا دے گا تم کو	وہ، جو تم لوگ کیا کرتے تھے

نوٹ:1

آیت۔2۔ میں لفظ اُمِّیّٖنَ بنی اسمٰعیل کے لیے ایک امتیازی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ یہود کی وضع کردہ تھی جس میں ان کے اندر کے مذہبی پندار کی جھلک بھی تھی اور اہل عرب کے لیے ان کا جذبۂ تحقیر بھی نمایاں تھا۔ لیکن بنی اسمٰعیل چونکہ کتاب شریعت سے نا آشنا تھے اس لیے بغیر کسی احساس کمتری کے انہوں نے اس لقب کو اپنے لیے خود بھی اختیار کر لیا پھر جب قرآن نے ان کے لیے اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے رسول کے لیے اس لفظ کو ایک امتیازی صفت کے طور پر ذکر کیا تو اس کا رتبہ انتہائی بلند ہو گیا اور جن کو اَن پڑھ اور گنوار کہہ کر حقیر ٹھہرایا گیا تھا وہ تمام عالم کی تعلیم وتہذیب پر مامور ہوئے اور جن کو اپنے حامل کتاب وشریعت ہونے پر ناز تھا وہ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا کے مصداق قرار پائے (تدبر قرآن)۔

لفظ امّی کی یہ وضاحت میں نے جب ایک بہت پڑھے لکھے دانشور کے سامنے کی تو وہ چہک کر بولے کہ آج ہم بھی تو اُسی گدھے کی مانند ہیں۔ ہم حامل قرآن ہیں لیکن ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ میں نے کہا آپ کی بات جزوی طور پر تو درست ہے لیکن کلیتاً درست نہیں ہے۔ پوچھا وہ کیسے۔ میں نے کہا کہ اس گدھے کی مثال ہمارے دانشوروں پر تو صادق آتی ہے لیکن علماء کرام پر صادق نہیں آتی۔ پھر ان کے مہذب ہونے کی قلعی کھل گئی۔ (مرتب)

نوٹ:2

آیت۔3۔ میں آخَرِيْنَ کے عطف میں دو قول ہیں۔ بعض نے اس کو اُمِّیّٖنَ پر عطف قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول امیین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ یہاں ان میں بھیجنے سے مراد ان کے لیے بھیجنا ہے کیونکہ لفظ فی عربی میں اس کے معنی کے لیے آتا ہے اور بعض نے آخرین کا عطف يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر منصوب پر مانا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہؐ تعلیم دیتے ہیں۔ امیین کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ آپؐ پر نازل ہوئی اور آپؐ نے ہمیں سنائی۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آئیں گے۔ (معارف القرآن)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ محمدؐ کی رسالت صرف عرب قوم تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کی ان دوسری قوموں اور نسلوں کے لیے بھی ہے جو ابھی آکر اہل ایمان میں شامل نہیں ہوئی ہیں مگر آگے قیامت تک آنے والی ہیں۔ اس میں لفظ مِنْهُمْ (ان میں سے) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دوسرے لوگ اُمّیوں میں سے، یعنی دنیا کی غیر اسرائیلی قوموں میں سے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ محمدؐ کو ماننے والے ہوں گے جو بعد میں آکر شامل ہوں گے۔ اس طرح یہ آیت منجملہ ان آیات کے ہے جن میں تصریح کی گئی ہے کہ رسول اللہؐ کی بعثت تمام نوع انسانی کی طرف ہے اور ابد تک کے لیے ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات جہاں اس مضمون کی صراحت کی گئی ہے یہ ہیں۔ الانعام۔19۔ الاعراف۔158۔ الانبیاء۔107۔ الفرقان۔1۔ سبا۔28۔ (تفہیم القرآن)

6860

آیت نمبر (9 تا 11)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ	مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ	فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
اے لوگو جو ایمان لائے	جب پکارا جائے نماز کے لیے	جمعہ کے دن میں سے	تو تم لوگ لپکو اللہ کی یاد کی طرف

وَ	ذَرُوا	الْبَيْعَ ۭ	ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝9	فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ
اور	تم لوگ چھوڑ دو	سوداگری کو	یہ بہتر ہے تمہارے لیے	اگر تم لوگ جانتے ہو	پھر جب پوری کر لی جائے نماز

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ	وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا	لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝10
تو تم لوگ منتشر ہو جاؤ زمین میں	اور تلاش کرو اللہ کے فضل میں سے (روزی)	اور ذکر کرتے رہو اللہ کا کثرت سے	شاید کہ تم لوگ مراد پاؤ

وَاِذَا رَاَوْا	تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا	انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا	وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ
اور جب وہ دیکھتے ہیں	کوئی تجارت یا تماشہ	تو بکھر جاتے ہیں اس کی طرف	اور چھوڑ جاتے ہیں آپؐ کو کھڑا ہوا

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ	مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ	وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝11 ع
آپؐ کہیے جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے	تماشے سے اور تجارت سے	اور اللہ رزق دینے والوں کا بہترین ہے

نوٹ: 1

جمعہ کے دن کو یوم جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس دن کو یوم عروبہ کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوئی نے اس کا نام جمعہ رکھا۔ قریش اس دن جمع ہوتے اور کعب بن لوئی خطبہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ رسول اللہؐ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ پہلے کا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے بچایا اور توحید کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے نبی کریمؐ کی بعثت کی خوشخبری بھی لوگوں کو سنائی تھی۔ (معارف القرآن)

اسلام سے پہلے ہفتہ کا ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا طریقہ اہل کتاب میں موجود تھا۔ یہودیوں نے اس غرض کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن مقرر کیا تھا کیونکہ اس اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممیّز کرنے کے لیے اپنا شعارِ ملت اتوار کا دن قرار دیا۔ اگرچہ اس کا کوئی حکم نہ حضرت عیسیٰؑ نے دیا تھا نہ انجیل میں کہیں اس کا کوئی ذکر آیا ہے۔ لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰؑ اُسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے۔ اس بنا پر بعد کے عیسائیوں نے اسے اپنی عبادت کا دن قرار دے لیا اور پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم کے ذریعے سے اس کو عام تعطیل کا دن مقرر کر دیا۔ اسلام نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو ممیّز کرنے کے لیے یہ دونوں دن چھوڑ کر جمعہ کو اجتماعی عبادت کے لیے اختیار کیا۔

جمعہ کی فرضیت کا حکم نبیؐ پر ہجرت سے کچھ پہلے مکہ میں نازل ہو چکا تھا لیکن اس وقت آپؐ اس پر عمل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مکہ میں کوئی اجتماعی عبادت ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے آپؐ ان لوگوں کو جو پہلے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے، یہ حکم لکھ بھیجا وہاں جمعہ قائم کریں۔ چنانچہ ابتدائی مہاجرین کے سردار حضرت مُصعب بن عمیرؓ نے ۱۲۔ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں پہلے جمعہ پڑھا۔ اس سے بھی پہلے مدینہ کے انصار نے بطور خود آپس میں یہ طے کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن مل کر اجتماعی عبادت کریں گے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے یہودیوں کے سبت اور عیسائیوں کے اتوار کو چھوڑ کر جمعہ کا دن انتخاب کیا اور پہلا جمعہ حضرت اسعد بن ذُرارہ نے بنی بیاضہ کے علاقے میں پڑھا جس میں چالیس

آدمی شریک ہوئے۔رسول اللہؐ نے ہجرت کے بعد اوّلین کام کیے ان میں جمعہ کی اقامت بھی تھی۔

''اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو''۔''خرید وفروخت چھوڑ دو''۔یہ حکم قطعی طور پر نماز جمعہ کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اس کی تائید بکثرت احادیث کرتی ہیں جن میں رسول اللہؐ نے سخت ترین تاکید کی ہے اور اسے صاف صاف الفاظ میں فرض قرار دیا ہے۔(ہم یہاں پر صرف ایک حدیث نقل کر رہے ہیں۔مرتب)۔حضورؐ نے فرمایا: آج سے لے کر قیامت تک جمعہ ہم لوگوں پر فرض ہے۔جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے، خدا اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے۔خوب سن رکھو اس کی نماز نماز نہیں، اس کا روزہ روزہ نہیں، اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔پھر جو توبہ کر لیں اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے۔البتہ آپؐ نے عورت، بچے، غلام، مریض، اور مسافروں کو اس فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔قرآن وحدیث کی انہی تصریحات کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

آیت۔10۔کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد زمین میں پھیل جانا اور رزق تلاش کرنا ضروری ہے بلکہ یہ ارشاد اجازت کے معنی میں ہے جیسے سورۂ نساء میں ایک سے زائد نکاح کی اجازت فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ کے الفاظ میں دی گئی ہے۔یہاں اگرچہ فَانْكِحُوْا فعل امر ہے مگر کسی نے بھی اس کو حکم کے معنی میں نہیں لیا حی۔اس سے یہ اصولی مسئلہ نکلتا ہے کہ صیغۂ امر وجوب ہی کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی یہ اجازت اور کبھی استحباب کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔یہ بات قرآئن سے معلوم ہوئی ہے کہ کہاں یہ حکم کے معنی میں ہے اور کہاں اجازت کے معنی میں اور کہاں اس سے مراد یہ ہوئی ہے کہ اللہ کو ایسا کرنا پسند ہے۔لیکن یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ فعل فرض یا واجب ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ یہودیوں کے سبت اور عیسائیوں کے اتوار کی طرح قرآن میں جمعہ کو عام تعطیل کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ جمعہ ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کا شعار ملت ہے جس طرح ہفتہ اور اتوار یہودیوں اور عیسائیوں کے شعار ملت ہیں۔اگر ہفتہ میں کوئی ایک دن عام تعطیل کے لیے مقرر کرنا تمدنی ضرورت ہو تو جس طرح یہودی اس کے لیے فطری طور پر ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو منتخب کرتے ہیں اسی طرح مسلمان اس غرض کے لیے جمعہ کو ہی منتخب کرے گا بلکہ عیسائیوں نے دوسرے ایسے ملکوں پر بھی اپنے اتوار مسلط کرنے میں تامل نہ کیا جہاں عیسائی آبادی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔یہودیوں نے جب فلسطین میں اپنی ریاست قائم کی تو اولین کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ اتوار کے بجائے ہفتہ کو چھٹی کا دن مقرر کیا۔تقسیم سے پہلے ہندوستان میں برطانوی ہند اور مسلمان ریاستوں کے درمیان نمایاں فرق یہ نظر آتا تھا کہ ملک کے ایک حصے میں اتوار کی چھٹی ہوتی تھی اور دوسرے حصے میں جمعہ کی۔البتہ جہاں مسلمانوں کے اندر اسلامی حِس موجود نہیں ہوتی وہاں وہ اپنے ہاتھ میں اقتدار آنے کے بعد بھی اتوار کو سینے سے لگائے رہتے ہیں، جیسا کہ ہم پاکستان میں دیکھ رہے ہیں بلکہ اس سے زیادہ جب بے حسی طاری ہوتی ہے تو جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کو چھٹی رائج کی جاتی ہے۔(تفہیم القرآن۔ج۵۔ص ۴۹۳ تا ۴۹۸ سے ماخوذ)۔

نوٹ:2

آیت۔11۔میں ان لوگوں کو تنبیہہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نبی کریمؐ خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے۔ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہؐ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ مدینہ کے بازار میں پہنچا اور اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا۔بہت سے صحابۂ کرامؓ بازار چلے گئے اور آپؐ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت مہنگائی تھی۔اوّل تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی۔خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جز ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، ان اسباب کے تحت صحابۂ کرامؓ سے یہ لغزش ہوئی۔اسی پر عار دلانے اور تنبیہہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ نازل

ہوئی اور اسی کے سبب سے رسول اللہؐ نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے۔(معارف القرآن بروایت ابن کثیرؒ) 6860

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المنافقون (63)

آیت نمبر (1 تا 8)

س	ن	د

(ن) سُنُوْدًا بھروسہ کرنا۔سہارا لینا۔

(تفعیل) تَسۡنِیۡدًا مضبوط کرنا۔سہارا دینا

مُسَنَّدٌ اسم المفعول ہے۔سہارا دیا ہوا۔زیر مطالعہ آیت۔4

ترکیب

(آیت۔1) عام قاعدہ یہ ہے کہ اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے اور اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔اس کا یاک استثنا ہم پڑھ چکے ہیں کہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ''بیشک'' نہیں بلکہ ''کہ'' ہوتے ہیں، (دیکھیں آیت نمبر۔2/البقرۃ:25،نوٹ:ن2)۔اب آیت زیر مطالعہ میں اس قاعدے کا دوسرا استثنا آیا ہے۔اس آیت میں نَشۡهَدُ۔ یَعۡلَمُ اور یَشۡهَدُ تینوں افعال کے بعد اِنَّ کے بجائے اَنَّ آیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر پر اگر لام تاکید آ رہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کے بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ''کہ'' ہی کیا جاتا ہے۔(آیت۔4) فعل ماضی کبھی خبر یہ کے بجائے دعائیہ بھی ہوتا ہے جیسے یہاں قَاتَلَهُمُ دعائیہ ہے۔اردو محاورہ کی وجہ سے دعائیہ افعال ماضی کا ترجمہ اردو کے فعل امر غائب سے کیا جاتا ہے۔(دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:72،نوٹ:2)

ترجمہ

اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ	قَالُوۡا	نَشۡهَدُ اِنَّكَ	لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ	وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ
جب آتے ہیں آپؐ کے پاس منافق لوگ	تو وہ کہتے ہیں (کہ)	ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ	یقیناً اللہ کے رسول ہیں	اور اللہ جانتا ہے

اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ	وَاللّٰهُ یَشۡهَدُ	اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَكٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾	اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ
کہ آپؐ یقیناً اس کے رسول ہیں	اور اللہ گواہی دیتا ہے	کہ منافق لوگ یقیناً جھوٹے ہیں	انہوں نے بنایا اپنی قسموں کو

جُنَّةً	فَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ	اِنَّهُمْ	سَآءَ مَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲
ایک ڈھال	پھر وہ روکتے ہیں (لوگوں کو)	اللہ کے راستہ سے	بیشک وہ لوگ (ہیں کہ)	برا ہے وہ جو	یہ لوگ کرتے رہتے ہیں

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا	فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳
یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ	ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کیا	تو ٹھپہ لگا دیا گیا ان کے دلوں پر	نتیجۃً وہ سمجھتے نہیں ہیں

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ	تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ	وَاِنْ يَّقُوْلُوْا	تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ	كَاَنَّهُمْ
اور جب کبھی آپؐ دیکھتے ہیں ان کو	تو دلکش لگتے ہیں آپؐ کو ان کے جسم	اور اگر وہ لوگ کہتے ہیں (کچھ)	تو آپؐ سنتے ہیں ان کی بات کو	جیسے کہ وہ لوگ

خُشُبٌ	مُّسَنَّدَةٌ ؕ	يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ	عَلَيْهِمْ ؕ	هُمُ الْعَدُوُّ
ایسی موٹی لکڑیاں ہیں جو	ٹیک دی ہوئی ہیں	وہ لوگ گمان کرتے ہیں ہر چنگھاڑ کو	اپنے پر ہی (پڑنے والی)	وہ لوگ ہی دشمن ہیں

فَاحْذَرْهُمْ ؕ	قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ	اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴	وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ	تَعَالَوْا
تو آپ محتاط رہیں ان سے	ہلاک کرے ان کو اللہ	کہاں سے پھیر دیئے جاتے ہیں	اور جب بھی کہا جاتا ہے ان سے	تم لوگ آؤ

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ	رَسُوْلُ اللّٰهِ	لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ	وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ
تو مغفرت مانگیں گے تمہارے لیے	اللہ کے رسول	تو وہ لوگ مٹکاتے ہیں اپنے سروں کو	اور آپ دیکھتے ہیں ان کو روکتے ہوئے

وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵	سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ	اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ
اس حال میں کہ وہ بڑائی چاہنے والے ہوتے ہیں	برابر ہے ان پر	خواہ آپؐ استغفار کریں ان کے لیے

اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ	لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
یا آپؐ استغفار نہ کریں ان کے لیے	ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کے لیے (ان کے گناہوں کو)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى	الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶	هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ	لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ
بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا	نافرمانی کرنے والی قوم کو	وہ لوگ ہی وہ ہیں جو کہتے ہیں	تم لوگ خرچ مت کرو ان پر جو

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ	وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷
اللہ کے رسولؐ کے پاس ہیں	یہاں تک کہ وہ لوگ منتشر ہو جائیں	حالانکہ اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے	اور لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ	اِلَى الْمَدِيْنَةِ	لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ	مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ
وہ لوگ کہتے ہیں بیشک اگر ہم لوٹے	مدینہ کی طرف	تو لازماً نکالے گا زیادہ باعزت	اس سے زیادہ ذلیل کو

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ	وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸ ع
حالانکہ اللہ ہی کے لیے ہے کل عزت	اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان لانے والوں کے لیے	اور لیکن منافق لوگ جانتے نہیں ہیں

نوٹ: 1 جس خاص واقعہ کے باری میں یہ سورہ نازل ہوئی ہے اس کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مدینہ کے منافقین کی

تاریخ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے، کیونکہ جو واقعہ اس موقع پر پیش آیا تھا وہ محض ایک اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا سلسلۂ واقعات تھا۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اوس اور خزرج کے قبیلے آپس کی خانہ جنگیوں سے تھک کر ایک شخص کی قیادت پر متفق ہو چکے تھے اور اس کو اپنا بادشاہ بنا کر باقاعدہ اس کی تاجپوشی کرنے والے تھے۔ یہ شخص قبیلہ خزرج کا رئیس عبداللہ بن اُبی تھا۔ اس صورتحال میں اسلام کا چرچا مدینے پہنچا اور دونوں قبیلوں کے باثر لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے پہنچے تو انصار کے ہر گھرانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ عبداللہ بن ابی بے بس ہو گیا اور اس کو اپنی سرداری بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود بھی مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنے اُن بہت سے ساتھیوں کے ساتھ، جن میں دونوں قبیلوں کے سردار شامل تھے، داخل اسلام ہو گیا۔ حالانکہ ان سب کے دل جل رہے تھے۔ خاص طور پر عبداللہ ابن ابی کو اس بات کا سخت غم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔ کئی سال تک اس کا یہ منافقانہ ایمان اور بادشاہت چھن جانے کا یہ غم طرح طرح کے غم دکھاتا رہا۔

1۔ جنگ بدر کے بعد جب قینقاع کی بلا اشتعال سرکشی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر چڑھائی کی تو یہ شخص ان کی حمایت پر اٹھ کھڑا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ سات سو مردانِ جنگی جو ہر شخص کے مقابلے پر میرا ساتھ دیتے رہے ہیں، آپ ایک دن میں انہیں ختم کر ڈالنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے ان حلیفوں کو معاف نہ کر دیں۔

2۔ جنگ احد کے موقع پر قریش تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک ہزار آدمی لے کر مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ اس وقت یہ منافق تین سو آدمی توڑ لایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف سات سو کی جمعیت کے ساتھ تین ہزار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے بعد مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص قطعی منافق ہے اور اس کے وہ ساتھی بھی پہچان لیے گئے جو منافقت میں اس کے شریک کار تھے۔

3۔ پھر ۴ھ میں غزوۂ بنی نضیر پیش آیا۔ اس موقع پر اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے اور بھی زیادہ کھل کر اسلام کے دشمنوں کی حمایت کی۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی دشمنوں سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ منافقین یہودیوں کو پیغام بھیج رہے تھے کہ ڈٹے رہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس خفیہ ساز باز کا راز اللہ تعالیٰ نے کھول دیا جیسا کہ سورۂ حشر کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔

اس کی اور اس کے ساتھیوں کی اتنی پردہ دری ہو جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرماتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوس اور خزرج کے بہت سے سردار اس کے حامی تھے اور مدینہ کی آبادی میں کم از کم ایک تہائی تعداد اس کے ساتھیوں کی موجود تھی، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ظاہر ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ باہر کے دشمنوں سے لڑائی کے ساتھ ساتھ اندر کے ان دشمنوں سے بھی جنگ مول لی جائے۔ اسی بنا پر ان کی منافقت کا حال جانتے ہوئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مدت تک ان کے ساتھ ان کے ظاہری دعوائے ایمان کے لحاظ سے معاملہ فرماتے رہے۔ اس سبب سے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو غزوۂ بنی مصطلق میں شامل ہونے کا موقع مل گیا اور اس مہم میں دو عظیم فتنے اٹھائے۔ ان میں ایک فتنہ وہ تھا جس کا ذکر سورۂ نور میں گزر چکا ہے۔ (یعنی بی بی عائشہؓ پر بہتان لگانے کا فتنہ) اور دوسرا فتنہ یہ ہے جس کا اس سورہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

بنی مصطلق کو شکست دینے کے بعد لشکر ایک بستی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں کنویں پر پانی بھرنے میں دو صحابیوں کا جھگڑا ہو گیا۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور دوسرے ایک انصاری تھے۔ زبانی ترش کلامی سے گزر کر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی تو دونوں نے اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے پکارا۔ قریب تھا کہ انصار اور مہاجر آپس میں لڑ پڑتے لیکن یہ شور سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکل آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی پکار کیسی۔ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔ اس پر دونوں طرف

سے صالح لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔

اس کے بعد منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے۔اس نے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی، ان پر اپنے مال تقسیم کیے، اب یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی حریف بن گئے ہیں۔تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے نظر آئیں۔خدا کی قسم مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔اس مجلس میں حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے جو اس وقت ایک کم عمر لڑکے تھے۔انہوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا۔ان کے چچا نے جو انصار کے رئیسوں میں سے تھے، جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہرگز نہیں کیں۔مگر حضور ﷺ حضرت زیدؓ کو بھی جانتے تھے اور عبداللہ بن ابی کو بھی، اس لیے آپ سمجھ گئے کہ اصل بات کیا ہے۔رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی اور ان میں عبداللہ بن ابی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔لوگوں نے اس سے کہا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگو لیکن اس نے انکار کر دیا۔یہ تھے وہ حالات جن میں یہ سورت نازل ہوئی۔(تفہیم القرآن، ج۵،ص:۵۰۸ تا ۵۱۵ سے ماخوذ)

آیت نمبر (1 تا 19)

ترکیب

(آیت۔10) فا سببیہ ہونے کی وجہ سے اَصَّدَّقَ حالت نصب میں آیا ہے۔آگے اَکُنْ اگر فا سببیہ پر عطف ہوتا تو یہ حالت نصب میں اَکُوْنَ ہوتا۔لیکن یہ حالت جزم میں اَکُنْ آیا ہے۔اس لیے اس سے پہلے کوئی شرط والا فعل محذوف مانا جاتا ہے جس کا جواب شرط ہونے کی وجہ سے یہ مجزوم ہے۔مثلاً وَلَئِنْ اَخَّرْتَنِیْ کو محذوف مانا جاسکتا ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ	اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ	عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
اے لوگو جو ایمان لائے تم لوگوں کو غافل نہ کریں	تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں	اللہ کی یاد سے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹	وَاَنْفِقُوْا	مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ
اور جو کرے گا یہ (کام)	تو وہ لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں	اور تم لوگ خرچ کرو	اس میں سے جو ہم نے عطا کیا تم کو

مِّنْ قَبْلِ اَنْ	يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ	فَيَقُوْلَ رَبِّ	لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ	اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
اس سے پہلے کہ	آپہنچے تم میں کے کسی ایک کو	موت	نتیجتاً وہ کہے اے میرے رب	کیوں نہ تو نے پیچھے کیا (مہلت دی) مجھ کو	ایک قریبی مدت تک

فَاَصَّدَّقَ	وَاَكُنْ	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰	وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ	نَفْسًا
نتیجتاً میں صدقہ کرتا	اور (پھر تو) میں ہو جاؤں گا	نیکی کرنے والوں میں سے	اور ہرگز پیچھے نہیں کرے گا (مہلت نہیں دے گا) اللہ	کسی جان کو

اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ	وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ	بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ؏
جب آجائے گا اس کا (خاتمے کا) وقت	اور اللہ باخبر ہے	اس سے جو تم لوگ عمل کرو گے

نوٹ:1 اب خطاب مومنین سے ہے۔ ان کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے۔ دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں۔ مال اور اولاد۔ اس لیے ان دونوں کا نام لیا گیا، ورنہ مراد اس سے پوری متاعِ دنیا ہے اور ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مال و اولاد سے محبت ایک درجہ میں مذموم نہیں، ان کے ساتھ ایک درجہ تک لگاؤ صرف جائز نہیں بلکہ واجب بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی یہ حدِّ فاصل ہر وقت سامنے رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں انسان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں تمام اطاعتیں اور تمام عبادتیں ہیں۔ اور یہی قول سب کا جامع ہے۔ (معارف القرآن)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ التغابن (64)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترجمہ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ۚ	لَهُ الۡمُلۡكُ
تسبیح کرتی ہے اللہ کی (ہر) وہ چیز جو آسمانوں میں ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے	اس کے لیے ہی ساری بادشاہت ہے

وَلَهُ الۡحَمۡدُ ۡ	وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ	قَدِيۡرٌ ①	هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ
اور اس کے لیے ہی کل حمد ہے	اور وہ ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو

فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ	وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	بَصِيۡرٌ ②	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ
تو تم میں سے کوئی انکار کرنے والا ہے	اور تم میں سے کوئی ایمان لانے والا ہے	اور اللہ اس کو جو تم لوگ کرو گے	دیکھنے والا ہے	اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

بِالۡحَقِّ	وَصَوَّرَكُمۡ	فَاَحۡسَنَ	صُوَرَكُمۡ ۚ	وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ③
حق ((مقصد) کے ساتھ	اور اس نے صورت بنائی تم لوگوں کی	پھر اس نے حسن دیا	تمہاری صورتوں کو	اور اس کی طرف ہی لوٹنا ہے

يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ	وَيَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ	وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ
وہ جانتا ہے اس کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے	اور وہ جانتا ہے اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو	اور اس کو جو تم لوگ علانیہ کرتے ہو

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ④	اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ	نَبَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	مِنۡ قَبۡلُ ۡ
اور اللہ جاننے والا ہے سینوں والی (بات) کو	کیا پہنچی نہیں تم لوگوں کے پاس	ان لوگوں کی خبر جنھوں نے کفر کیا	اس سے پہلے

فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ	وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ⑤	ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ	كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ
پھر انھوں نے چکھی اپنے کیے کی سزا	اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے	یہ بسبب اس حقیقت کے کہ	آتے تھے ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ	فَقَالُوْٓا	اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ	فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا 6860
ان کے رسول واضح (نشانیوں) کے ساتھ	تو وہ کہتے تھے	کیا کچھ بشر ہدایت دیں گے ہم کو	پھر انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ	وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝
اور بے نیازی اختیار کی اللہ نے	اور اللہ ہے (ہی) بے نیاز حمد کیا ہوا

نوٹ:1 آیت۔2۔ میں فَمِنْكُمْ کا حرف 'فا' تعقیب (یعنی ایک چیز کا دوسرے کے بعد ہونے) پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا۔ یہ کافر و مومن کی تقسیم بعد میں اس اختیار کے تحت ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے۔ اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولادِ آدمؑ سب ایک برادری ہے۔ اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے۔ اس لیے پوری دنیا میں انسانوں میں گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بناء پر ہوسکتی ہے۔ رنگ، زبان، نسل، خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ رنگ و زبان کے اختلاف کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں اور انسان کے لیے بہت سے فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ایمان و کفر کی بناء پر دو قوموں کی تقسیم ایک اختیاری امر پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے، تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہوسکتا ہے، بخلاف نسب و خاندان یا رنگ اور زبان کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنا نسب یا رنگ بدل دے۔ زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان و وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ ان کی ہی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:2 یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتب آسمانی نے کبھی انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے کا وہ تصور پیش نہیں کیا جسے ڈیڑھ ہزار سال سے عیسائیت نے اپنا بنیادی عقیدہ بنا رکھا ہے۔ آج خود کیتھولک علماء یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ اپنی کتاب IS SRIGINAL SIN IN SCRIPTURE میں لکھا ہے کہ ابتدائی دور کے عیسائیوں میں کم از کم تیسری صدی تک یہ عقیدہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا کہ انسان پیدائشی گنہگار ہے اور جب یہ خیال لوگوں میں پھیلنے لگا تو دو صدیوں تک عیسائی اہل علم اس کی تردید کرتے رہے۔ مگر آخر کار پانچویں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کر دیا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3 آیت۔6۔ میں کافروں کا قول نقل ہوا ہے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے۔ یہ ان کی تباہی کی اولین اور بنیادی وجہ ہے۔ نوع انسانی کو دنیا میں صحیح راہِ عمل اس کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی تھی کہ اس کا خالق اسے صحیح علم دے۔ اور خالق کی طرف سے علم دیئے جانے کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہ ہوسکتی تھی کہ وہ انسانوں ہی میں سے بعض افراد کو علم عطا کر کے دوسروں تک اسے پہنچانے کی خدمت سپرد کر دے۔ اس غرض کے لیے اس نے انبیاء کو بینات کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگوں کے لیے ان کے برحق ہونے میں شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ رہے۔ مگر انہوں نے سرے سے یہی ماننے سے انکار کر دیا کہ بشر خدا کا رسول ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد ان کے لیے ہدایت پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

اس معاملہ میں گمراہ انسانوں کی جہالت و نادانی کا یہ عجیب کرشمہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ بشر کی رہنمائی قبول کرنے میں تو انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ انہی کی رہنمائی میں لکڑی اور پتھر کے بتوں تک کو معبود بنایا۔ خود انسانوں کو خدا اور خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا تک مان لیا۔ گمراہ کن لیڈروں کی اندھی پیروی میں ایسے ایسے عجیب مسلک اختیار کیے جنہوں نے انسانی تہذیب وتمدن اور اخلاق کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ مگر جب خدا کے رسول ان کے پاس حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا: ''کیا اب بشر ہمیں ہدایت دیں گے۔'' اس کے معنی یہ تھے کہ بشر اگر گمراہ کرے تو سر آنکھوں پر لیکن اگر وہ راہ راست دکھاتا ہے تو اس کی رہنمائی قابل قبول نہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 10)

غ	ب	ن

(ن) غَبْنًا وَ غَبَنًا کاروبار میں دھوکہ دے کر اپنا پلہ بھاری کر لینا۔ کسی کو نقصان پہنچانا۔

(س) غَبَنًا وَ غَبْنًا ذہانت کا کم ہونا۔ ضعیف الرائے ہونا۔

(تفاعل) تَغَابُنًا معاملات میں بعض کا بعض کو نقصان پہنچانا۔ کسی کا کسی کے مقابلہ میں غافل یا ضعیف الرائے ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔9

ترجمہ

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ	قُلْ بَلٰى	وَرَبِّيْ
یقینی جانا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے	آپ ؐ کہیے کیوں نہیں	میرے رب کی قسم

لَتُبْعَثُنَّ	ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ	بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ	وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷
تم لوگ لازماً اٹھائے جاؤ گے	پھر تم لوگوں کو لازماً باخبر کیا جائے گا	اس سے جو تم نے عمل کیا	اور یہ اللہ پر آسان ہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ۝۸
پس تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر	اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا	اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ	لِيَوْمِ الْجَمْعِ	ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ	وَمَنْ يُّؤْمِنْ
جس دن وہ جمع کرے گا تم لوگوں کو	جمع کیے جانے کے دن کے لیے	وہ نفع نقصان (کے ظہور) کا دن ہوگا	اور جو ایمان لائے گا اللہ پر

بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا	يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ	وَيُدْخِلْهُ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
اور عمل کرے گا نیک	تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو	اور وہ داخل کرے گا اس کو	ایسے باغات میں	بہتی ہوں گی جن کے دامن میں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ	اَبَدًا ؕ	ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں	ہمیشہ ہمیش	یہ ہی شاندار کامیابی ہے	اور جنہوں نے انکار کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ	اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ ع
اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	وہ لوگ آگ والے ہیں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے اس میں	اور بہت بری ہے (وہ) لوٹنے کی جگہ

نوٹ: 1 زیر مطالعہ آیت۔ 7۔ میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ اپنے رب کی قسم کھا کر لوگوں سے

کہو کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا۔ پہلے سورۂ یونس کی آیت۔53۔ میں پھر سورۂ سبا کی آیت۔3۔ میں اور اب اس آیت میں سوال یہ ہے کہ ایک منکر آخرت کے لیے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ اسے آخرت کی خبر قسم کھا کر دیں یا قسم کھائے بغیر دیں۔ وہ جب نہیں مانتا تو اس بنا پر کیسے مان لے گا کہ آپ قسم کھا کر اس سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر یہ بات خوب جانتے تھے کہ انہوں نے کبھی عمر بھر جھوٹ نہیں بولا۔ اس لیے خواہ زبان سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کیسے بھی بہتان گھڑتے رہے ہوں اپنے دل میں وہ یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا سچا انسان کبھی خدا کی قسم کھا کر وہ بات کہہ سکتا ہے جس کے برحق ہونے کا اسے یقین نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ نبی کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالاتر ہے۔ نبی کی اصلی حیثیت یہ نہیں ہے کہ عقلی استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ آخرت ہونی چاہیے۔ بلکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ آخرت ہوگی اور یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ اس لیے ایک نبی ہی قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہے اور ایک فلسفی اس پر قسم نہیں کھا سکتا۔ فلسفی اگر صحیح الفکر فلسفی ہو تو وہ ''ہونا چاہیے'' سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ''ہے اور یقیناً ہے'' کہنا صرف نبی کا کام ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 1

تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنیٰ خسارے اور نقصان کے ہیں۔ مالی نقصان کو بھی غبن کہتے ہیں اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی۔ لفظ تغابن کا مطلب ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے نقصان کو ظاہر کرے۔ قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے آخرت میں دو گھر پیدا کیے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں۔ اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھایا جائے گا جو ایمان و عمل نہ ہونے کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تا کہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ کا مزید شکر گزار ہو۔ اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تا کہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ اہل جہنم کے حصے میں آئیں گے۔ اس وقت کفار اور فجار کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اُس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار اور فجار ہی کو نہیں بلکہ مؤمنین صالحین کو بھی ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تا کہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے۔ اس روز ظالم اور بدعمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے اور مومنین نے عمل میں جو کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی۔ اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن و خسارہ کا احساس کریں گے اس لیے اس کو یوم التغابن کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لیے حسرت بنے گی۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (11 تا 18)

مَآ اَصَابَ	مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ	اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ	وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ
نہیں آلگتی	کوئی بھی آ لگنے والی (مصیبت)	مگر اللہ کی اجازت سے	اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر

يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ	وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾	وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ	وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ
تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو	اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے	اور تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی	اور تم لوگ اطاعت کرو ان رسولؐ کی

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ	فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا	الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾	اَللّٰهُ	لَاۤ اِلٰهَ
پھر اگر تم لوگوں نے منہ موڑا	تو ہمارے رسول پر تو بس	واضح طور پر پہنچا دینا ہے	اللہ (وہ ہے کہ)	کوئی بھی اِلٰہ نہیں

اِلَّا هُوَ ؕ	وَعَلَى اللّٰهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ ﴿۱۳﴾	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا	اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ
سوائے اس کے	اور اللہ پر بھی	چاہیے کہ توکل کریں مومن لوگ	اے لوگو جو ایمان لائے	یقیناً تمہارے جوڑوں میں سے اور تمہاری اولادوں میں سے

عَدُوًّا لَّكُمْ	فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ	وَاِنْ تَعْفُوْا	وَتَصْفَحُوْا	وَتَغْفِرُوْا
کچھ دشمن ہیں تمہارے (ایمان کے) لیے	پس تم لوگ محتاط رہو ان سے	اور اگر تم لوگ درگزر کرو	اور نظر انداز کرو	اور معاف کرو

فَاِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾	اِنَّمَاۤ	اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ	فِتْنَةٌ ؕ
تو بیشک اللہ (بھی)	بے انتہا معاف کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	تمہارے مال اور تمہاری اولادیں	ایک آزمائش ہیں

وَاللّٰهُ	عِنْدَهٗۤ	اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	مَا	اسْتَطَعْتُمْ
اور اللہ (ہے کہ)	اس ہی کے پاس	شاندار اجر ہے	پس تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	اتنا جو	تم صلاحیت رکھتے ہو

وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا	خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ	وَمَنْ يُّوْقَ	شُحَّ نَفْسِهٖ
اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو	بھلائی ہوتے ہوئے تمہاری اپنی جانوں کے لیے	اور جس کو بچا لیا گیا	اس کے جی کے لالچ سے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾	اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ	قَرْضًا حَسَنًا	يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ
تو وہ لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں	اگر تم لوگ قرض دو اللہ کو	جیسے خوبصورت قرض دینے کا حق ہے	تو وہ ضرب دے گا اس کو تمہارے لیے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ	حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾	عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾
اور وہ بخش دے گا تم کو	اور اللہ انتہائی قدردان ہے	ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے	(وہ) غائب اور موجود کا جاننے والا ہے	بالادست ہے	حکمت والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔ 11۔ کا مطلب یہ ہے کہ مصائب کے وقت جو چیز انسان کو راہ راست پر قائم رکھتی ہے اور اس کے قدم ڈگمگانے نہیں دیتی، وہ صرف ایمان باللہ ہے۔ جس کے دل میں ایمان نہ ہو وہ آفات کو اتفاقات کا نتیجہ سمجھتا ہے، یا دنیوی طاقتوں کو ان کے لانے اور روکنے میں مؤثر مانتا ہے، یا انہیں ایسی خیالی طاقتوں کا عمل سمجھتا ہے جنہیں انسانی اوہام نے نفع وضرر پہنچانے پر قادر فرض کر لیا ہے، یا خدا کو فاعل مختار مانتا تو ہے مگر صحیح (پکے) ایمان کے ساتھ نہیں مانتا۔ ان تمام صورتوں میں آدمی کم ظرف ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک خاص حد تک تو وہ مصیبت سہہ لیتا ہے، لیکن اس کے بعد وہ گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ ہر آستانے پر جھک جاتا ہے۔ ہر ذلت قبول کر لیتا ہے۔ ہر غلط کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص یہ جانتا اور سچے دل سے مانتا ہو کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے اِذن سے مصیبت آتی اور اسی کے حکم سے ٹل سکتی ہے، اس کے دل کو اللہ تعالیٰ صبر اور تسلیم ورضا کی توفیق دیتا ہے۔ اس کو عزم اور ہمت کے ساتھ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتا ہے اور بڑی سے بڑی آفت بھی اس کو راہ راست سے ہٹانے نہیں پاتی۔ اس طرح ہر مصیبت اس

6860

کے لیے نتیجہ کے اعتبار سے سراسر رحمت بن جاتی ہے۔ کیونکہ خواہ وہ اس کا شکار ہو کر رہ جائے یا اس سے بخیریت گزر جائے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے رب کی ڈالی ہوئی آزمائش سے کامیاب ہو کر نکلتا ہے۔ اسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ اس کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ خوشحالی میسر آئے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

زیر مطالعہ آیات۔ 11 تا 13 میں جو ہدایات ہمیں دی گئیں ہیں ان کو اب ایک اور پہلو سے سمجھنا ہے۔ اس کے لیے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں۔ ہماری زندگی میں کچھ حالات و واقعات ہوتے ہیں جو ہم پر ٹپک پڑتے ہیں۔ ان کے واقع ہونے میں نہ تو ہمارا کوئی عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ان پر ہمارا کوئی اختیار ہوتا ہے۔ یہ حالات خوشگوار بھی ہوتے ہیں اور ناگوار بھی۔ دوسری طرف ہماری زندگی میں کچھ اعمال ہوتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ ان اعمال کے ظہور پذیر ہونے میں ہمارے غور و فکر، نیت و ارادہ اور کوشش کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ان کو کرنے یا نہ کرنے کا ہم کو اختیار ہوتا ہے، یہ اعمال کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ ہماری زندگی کے یہ دو الگ الگ دائرے ہیں، ان کو آپس میں گڈ مڈ کر دینے کے نتیجے میں ذہن الجھ جاتا ہے اور اکثر ہم غلط نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ اس لیے اس فرق کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔

فرض کریں بیرون ملک سے ایک تاجر آئے ہوئے ہیں۔ صبح دس بجے ان سے ملاقات کا وقت طے ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ اس ملاقات سے آپ کے کاروبار میں ترقی ہوگی۔ مکمل تیاری کے ساتھ آپ اس ہوٹل کے لیے روانہ ہوتے ہیں جس میں وہ تاجر ٹھہرا ہوا ہے۔ راستہ میں سڑک پر کوئی حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ٹریفک جام ہے اور آپ بھی اس میں پھنس جاتے ہیں۔ جب راستہ کھلا اور آپ آدھا گھنٹہ تاخیر سے ہوٹل پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ تاجر آپ کا انتظار کر کے کہیں جا چکا ہے۔ یہ آپ پر ٹپک پڑنے والا ایک واقعہ ہے۔ اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تاجر کی پاکستان آمد سے باخبر ہونا، اس سے ملاقات کا وقت حاصل کرنا، مکمل تیاری کے ساتھ ٹھیک وقت پر روانہ ہونا، یہ سب آپ کا اختیاری عمل تھا۔ ٹریفک جام ہونا وارد شدہ تقدیری واقعہ ہے۔ اس تقدیری واقعہ کے وارد ہونے کے بعد آپ رنج و غم میں سارا دن ضائع کریں گے یا خود کو سنبھال کر اُس دن کے باقی کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے، یہ آپ کا عمل ہوگا، اس کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم پر وارد ہونے والے تقدیری حالات و واقعات اور ہماری اختیاری سعی و جہد کا دائرہ الگ الگ تو ہے لیکن عموماً یہ ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں اور زیادہ تر ان کے مابین سبب اور علت Couse and effect کا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بے احتیاطی میں انہیں آپس میں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی شعوری کوشش کی جائے تو ان میں فرق کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ ہم پر وارد ہونے والے حالات و واقعات ہماری تقدیر کا حصہ ہیں۔ انہیں وارد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن ان واقعات کے نتیجے میں ہماری زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، اس کا تعلق ہمارے عمل سے ہے۔ اس لیے وہ اثرات ہماری تقدیر کا حصہ نہیں ہے۔ (جینے کا سلیقہ خط و کتاب کورس، حصہ چہارم صفحہ 64 تا 66 سے ماخوذ)

اس حوالے سے اب یہ نوٹ کریں کہ آیت۔ 11۔ میں تقدیری معاملات کے لیے ہدایت ہے۔ یہاں پر ایمان باللہ سے مراد ہے

اللہ کی ربوبیت پر دل کا جم جانا۔ وہ ہماری پرورش کرنے والا ہے۔ وہ ہماری ضروریات کو ہم سے زیادہ جانتا ہے اور ہم سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں کل خیر ہے۔ اس لیے جو کچھ ہوا ہے اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ جس کے دل میں یہ یقین ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو 6860 تسلیم و رضا کی ہدایت دے گا۔ جب دل کو یہ ہدایت ملے گی تب بندہ تاجر سے ملاقات نہ ہونے میں اپنی خیر سمجھے گا اور غم و غصہ میں مبتلا ہونے کے بجائے اُس دن کے بقیہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے کر اُس دن کو ضائع ہونے سے بچا لے گا۔ آگے آیات۔ 12۔13۔ میں ہدایات کا تعلق ہمارے عمل کے دائرے سے ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ کوئی بھی کوشش کرتے وقت یہ فکر کرنا لازمی ہے کہ کس چیز سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع کیا ہے، کیا چیز مباح ہے اور کیا چیز اجر و ثواب کا باعث ہے۔ جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ اطاعت کرنے کا یہی مطلب ہے۔ اس ضمن میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ کوشش کے نتیجہ کے لیے بھروسہ اور توکل صرف اللہ پر کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں کوشش کرنے کا تو پابند کیا گیا ہے لیکن اس کے نتیجے کو اللہ تعالیٰ نے کلیتہً اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ نتیجہ پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہماری کوشش کا نتیجہ نکلے گا یا نہیں، کتنا نکلے گا اور کب نکلے گا، یہ سب فیصلے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ ہمارا رب ہے اس لیے اس کا ہر فیصلہ ہماری بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ دل میں یہ یقین ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہمارے دل کو ہدایت دے گا۔

نوٹ: 3

آیت۔ 14 میں ایک بہت بڑی آزمائش سے متنبہ فرمایا ہے۔ یہ بیوی بچوں کی محبت ہے۔ یہ محبت ہے تو ایک فطری چیز لیکن ساتھ ہی یہ انسان کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بھی ہے۔ اگر آدمی کا علم و ایمان پختہ نہ ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس پر بیوی بچوں کی محبت اس قدر غالب آجائے کہ وہ خدا کی محبت کو نظر انداز کر بیٹھے حالانکہ یہ چیز اس کے ایمان کو غارت کر دینے والی ہے۔ آیت میں لفظ مِنْ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کے بیوی بچے لازماً اللہ کی راہ سے روکنے والے ہوں۔ بہتوں کے بیوی بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو راہِ حق میں مزاحم ہونے کے بجائے معاون ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے اہل و عیال ایسے نہیں ہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ ان سے محتاط رہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ جس کو اس طرح کی آزمائش سے سابقہ پیش آئے اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی فتنہ میں پڑنے سے تو بچائے اور اپنے قول و عمل سے اپنے اہل و عیال کی اصلاح کی کوشش کرے لیکن جب تک کفر و ایمان کا کوئی سوال پیدا نہ ہو اس وقت تک ان سے قطع تعلق نہ کرے بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ گویا ان کے ساتھ زندگی تو گزارے لیکن گھل مل کر نہیں بلکہ بچ بچا کر اس طرح کہ خود بھی محفوظ رہے اور ان کی بھی اصلاح ہو۔ (تدبر قرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الطلاق (65)

آیت نمبر (1 تا 3)

ترکیب

آیت۔ 1) نبی ﷺ کو مخاطب کر کے آگے طَلَّقْتُمْ میں واحد مخاطب کی ضمیر 'ت' کے بجائے جمع مخاطب کی ضمیر تُمْ آئی ہے۔ پھر اس کے آگے طَلِّقُوْا۔ اَحْصُوْا۔ اِتَّقُوْا۔ لَا تُخْرِجُوْا یہ سب جمع مخاطب کے صیغے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن ہدایات پوری اُمت کے لیے ہیں۔ اس لیے استاذِ محترم حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی رائے ہے کہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ کے بعد قُلْ کو محذوف مان لیا جائے تو مفہوم صحیح طریقے سے واضح ہو جائے گا۔ (آیت۔2) ذُوْ کا تثنیہ حالت رفع میں ذَوَا۔ اور حالت نصب و جرّ میں ذَوَیْ آتا ہے۔

یہاں یہ اَشْهِدُوْا کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ آیت۔2/البقرۃ:177۔ کے نوٹ۔2۔ میں 6860 بتایا جا چکا ہے کہ اس کی جمع ذَوُوْ۔ ذَوِیْ۔ ذَوِیْ آتی ہے۔ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ میں كَانَ ماضی استمراری کا نہیں ہے بلکہ یہ كَانَ تَامَّه ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:193،نوٹ۔1) مَنْ سابقہ فعل يُوْعَظُ کا مفعول بھی ہے اور كَانَ تامہ کا فاعل بھی ہے اور آگے يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اس کی صفت ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ کا مَنْ شرطیہ ہے اس لیے يَتَّقْ مجزوم ہے۔ آگے ملانے کے لیے اس کو کسرہ دی گئی ہے۔ آگے يَجْعَلْ اور يَرْزُقْ جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ کا مَنْ بھی شرطیہ ہے اس لیے يَتَوَكَّلْ مجزوم ہے فَهُوَ حَسْبُهٗ پورا جملہ جوابِ شرط اور محلاً مجزوم ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	فَطَلِّقُوْهُنَّ	لِعِدَّتِهِنَّ
اے نبیؐ (آپؐ کہہ دیجئے کہ)	جب کبھی تم لوگ طلاق دو (اپنی) عورتوں کو	تو طلاق دو ان کو	ان کی مدت (تک) کے لیے

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ	لَا تُخْرِجُوْهُنَّ	مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ
اور پورا شمار کرو مدت کو	اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا جو تمہارا رب ہے	اور تم لوگ مت نکالو ان کو	ان کے گھروں سے

وَلَا يَخْرُجْنَ	اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ	بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ	وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
اور چاہیے کہ وہ (بھی) نہ نکلیں	سوائے اس کے کہ وہ کریں	کوئی کھلی بے حیائی (کا کام)	اور یہ اللہ کی حدود ہیں

وَمَنْ يَّتَعَدَّ	حُدُوْدَ اللّٰهِ	فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ	لَا تَدْرِيْ	لَعَلَّ اللّٰهَ
اور جو تجاوز کرے گا	اللہ کی حدود سے	تو اس نے ظلم کیا ہے اپنے آپ پر	تو نہیں جانتا	شاید کہ اللہ

يُحْدِثُ	بَعْدَ ذٰلِكَ	اَمْرًا ①	فَاِذَا بَلَغْنَ	اَجَلَهُنَّ	فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وجود میں لے آئے	اُس کے بعد	کوئی (نیا) معاملہ	پھر جب وہ خواتین پہنچ جائیں	اپنی مدت کو	تو تم لوگ تھامے رہو ان کو بھلائی کے ساتھ

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ	وَّاَشْهِدُوْا	ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ	وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ
یا جدا ہو ان سے بھلائی کے ساتھ	اور تم لوگ گواہ بناؤ	کوئی دو انصاف والے تم میں سے	اور قائم کرو گواہی کو اللہ کے لیے

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ	مَنْ كَانَ	يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ	وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
یہ ہے، وہ نصیحت کرتا ہے جس کے ذریعہ	اس کو جو ہے (کہ)	وہ ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور آخری دن پر	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا

يَجْعَلْ لَّهٗ	مَخْرَجًا ②	وَّيَرْزُقْهُ	مِنْ حَيْثُ	لَا يَحْتَسِبُ ؕ
تو وہ بنا دے گا اس کے لیے	(مشکلات سے) نکلنے کی کوئی جگہ (راستہ)	اور وہ روزی دے گا اس کو	وہاں سے جہاں سے	وہ گمان نہیں کرتا

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ
اور جو بھروسہ کرے گا اللہ پر	تو وہ کافی ہوگا اس کو	یقیناً اللہ	اپنے کام کا پہنچنے والا (پورا کرنے والا) ہے

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ	لِكُلِّ شَيْءٍ	قَدْرًا ③
بنا دیا ہے اللہ نے	ہر چیز کے لیے	ایک اندازہ

نوٹ:1

سابق سورۃ التغابن کی آیات 14 تا16 میں یہ تنبیہہ فرمائی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے اس کے لیے بڑی آزمائش ہیں۔ اگر وہ چوکنا نہ رہے تو ان کی محبت میں گرفتار ہوکر وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیز اسے نفاق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس طرح ان کے ساتھ دوستی خود اپنے ساتھ دشمنی بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی فرمائی کہ ان سے چوکنا رہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لے بلکہ تا حدامکان اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ رکھے کہ ان کی اصلاح بھی ہو اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھ سکے۔ سورۂ تغابن کے بعد دو سورتوں، الطلاق اور التحریم، میں اسی نازک مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی ہے اور نفرت و محبت، دونوں طرح کے حالات میں صحیح رویہ کے حدود معین کر دیئے تا کہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سورۂ طلاق میں بتایا کہ بیوی سے کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملہ میں کس طرح حدود اللہ کی پابندی کا اہتمام کرے۔ اور سورہ تحریم میں یہ واضح فرمایا ہے کہ محبت میں کس طرح اپنے آپ کو اور ان کو حدود اللہ کا پابند رکھنے کی کوشش کرے۔ (تدبر قرآن، ج۸۔ص۴۲۹۔۴۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحت فرمائی ہے کہ اس سورۂ کا نزول سورہ بقرہ کی اُن آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام تین مرتبہ دیئے گئے تھے۔ اگرچہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اس کا ٹھیک زمانہ نزول کیا ہے لیکن روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب سورہ بقرہ کے احکام کو سمجھنے میں لوگ غلطیاں کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل فرمائیں۔ ان ہدایات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن ہدایات کو پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے جو طلاق اور عدت کے متعلق اس سے پہلے قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سورۂ طلاق اُن قاعدوں میں سے کسی قاعدے کو منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ دو مقاصد کے لیے نازل ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ مرد کو طلاق کا جو اختیار دیا گیا ہے اسے استعمال کرنے کے ایسے طریقے بتائے جائیں جن سے حتیٰ الامکان علیحدگی کی نوبت نہ آئے اور اگر آئے تو ایسی حالت میں آئے جبکہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں، دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے احکام کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دے کر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کر دی جائے۔ (تفہیم القرآن۔ ج۵، ج۔۵۵۰۔۵۵۲)

نوٹ:2

جاہلیت میں طلاق کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جس کو بیوی پر کسی سبب سے غصہ آیا، وہ نتائج و عواقب کا لحاظ کیے بغیر، ایک ہی سانس میں تین ہی نہیں بلکہ ہزاروں طلاقیں دے کر بیوی کو گھر سے نکال دیتا۔ اس طریقۂ طلاق میں عورت، مرد، بچوں بلکہ پورے کنبہ کے لیے یہ مضرتیں ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ہدایت فرمائی کہ جب طلاق دینے کی نوبت آئے تو وہ عدت کے حساب سے طلاق دے۔ اور اس عدت کا شمار رکھے۔ اس عدت کا شمار میاں اور بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ بیوی کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدت کے دوران وہ کسی اور مرد کی زوجیت میں نہیں جاسکتی۔ میاں کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدت کے دوران اگر وہ چاہے تو مراجعت کر لے۔ عدت گزر جانے کے بعد اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اس دوران میں اگر معلوم ہوا کہ بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہو جائے گی اور اس دوران میں عورت کے نان و نفقہ اور اس کی رہائش کی ساری ذمہ داری مرد پر ہوگی۔

اس عدت کے دوران نہ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو گھر سے نکالو اور نہ بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں سے نکل کھڑی ہوں، بلکہ دونوں یکجا ایک ہی گھر میں رہیں تا کہ باہمی سازگاری اور اصلاح احوال کی کوئی گنجائش ہو تو یہ یکجائی اس میں مددگار ہو۔ طلاق ایک مجبوری کا علاج ہے لیکن جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بندوں کو اس سے بچانے کے لیے طلاق پر عدت کی شرط عائد کی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس مدت میں میاں بیوی ایک ہی گھر میں رہیں تا کہ دونوں ٹھنڈے دل سے سوچ کر فیصلہ کر سکیں کہ آخری قدم اٹھانے سے پہلے اصلاح احوال کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔ یہاں گھر سے نکلنے سے مراد وہ نکلنا نہیں ہے جو معمول

کے مطابق اپنی ضروریات کے لیے ہوا کرتا ہے، بلکہ وہ نکلنا ہے جو کسی گھر کو خیر باد کہنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ (تدبر قرآن۔ ج ۸، ص: ۴۳۵ تا ۴۳۷)

1860

آیت نمبر (4 تا 7)

ترجمہ

وَالّٰٓئِیْ	یَئِسْنَ	مِنَ الْمَحِیْضِ	مِنْ نِّسَآئِکُمْ	اِنِ ارْتَبْتُمْ
اور وہ عورتیں جو	مایوس ہوئیں	حیض سے	تمہاری عورتوں میں سے	(ان کے بارے میں) اگر تم لوگ شک میں ہو

فَعِدَّتُهُنَّ	ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ	وَّالّٰٓئِیْ	لَمْ یَحِضْنَ ط	وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ	اَجَلُهُنَّ
تو (جان لو کہ) ان کی عدت	تین مہینے ہے	اور ان کی (بھی) جن کو	حیض ہوا ہی نہیں	اور حملوں والیاں	ان کی مدت ہے

اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط	وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ	یَجْعَلْ لَّهٗ	مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ④
کہ وہ رکھ دیں اپنا بوجھ (بچہ جن لیں)	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا	تو وہ بنا دے گا اس کے لیے	اس کے معاملہ میں آسانی

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ	اَنْزَلَهٗٓ اِلَیْكُمْ ط	وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ	یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ
یہ اللہ کا حکم ہے	اس نے اتارا اس (حکم) کو تمہاری طرف	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا	تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو

وَیُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ⑤	اَسْكِنُوْهُنَّ	مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ	مِّنْ وُّجْدِكُمْ
اور وہ عظیم کرے گا اس کے لیے اجر کو	تم لوگ سکونت دو ان خواتین کو	وہاں جہاں تم نے سکونت اختیار کی	اپنی صلاحیت میں سے

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ	لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ط	وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ	فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ
اور تکلیف مت دو ان کو	تاکہ تم لوگ تنگی کرو ان پر	اور اگر وہ ہوں حمل والیاں	تو تم لوگ خرچ کرو ان پر

حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج	فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ	فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ج
یہاں تک کہ وہ جنیں اپنا بچہ	پھر اگر وہ دودھ پلائیں (بچے کو) تمہارے لیے	تو تم لوگ دو ان کی اجرتیں

وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ج	وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ	فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ	اُخْرٰی ⑥ ط
اور مشورہ کرو آپس میں کسی بھلائی کا	اور اگر باہم ضد کرو گے	تو دودھ پلائے گی اس کے لیے	کوئی دوسری (عورت)

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ	مِّنْ سَعَتِهٖ ط	وَمَنْ	قُدِرَ عَلَیْهِ	رِزْقُهٗ
چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا	اپنی وسعت میں سے	اور وہ	ناپا تولا گیا جس پر	اس کے رزق کو

فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ	اٰتٰىهُ اللّٰهُ ط	لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
تو چاہیے کہ وہ خرچ کرے اس میں سے جو	دیا اس کو اللہ نے	ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ کسی جان پر

اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ط	سَیَجْعَلُ اللّٰهُ	بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ⑦ ع
سوائے اس کے جو اس نے دیا اس کو	بنا دے گا اللہ	تنگی کے بعد آسانی

نوٹ:1

عدّتِ طلاق عام حالات میں تین حیض پورے ہیں، جس کا بیان سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔ لیکن وہ عورتیں جن کو عمر زیادہ ہونے یا کسی بیماری کے سبب سے حیض آنا بند ہو چکا ہو یا وہ عورتیں جن کو کم عمری کے سبب سے ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، تو ان کی عدت آیت۔4۔ میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرما دی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی ہے چاہے وہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔ اس آیت میں اِنِ ارْتَبْتُمْ (اگر تمہیں شک ہو) سے مراد یہ ہے کہ اصل عدت حیض سے شمار ہوتی ہے اور اِن عورتوں کا حیض بند ہے تو پھر عدت شمار کیسے ہوگی۔ یہ تردد مراد ہے۔ (معارف القران)

نوٹ:2

زیر مطالعہ آیات۔ ۲ تا ۵ میں تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا ہے۔ اس کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لیے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے لیے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتا ہے جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ تیسرے یہ کہ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ پانچویں یہ کہ اس کا اجر بڑھا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ انفال کی آیت۔29۔ میں تقویٰ کی یہ برکت بھی بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے حق و باطل کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (8 تا 12)

ترکیب

آیت۔10) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے دو امکان ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ سے متعلق مانا جائے ایسی صورت میں اس پر جملہ ختم ہوگا اور قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے نیا جملہ شروع ہوگا اور مطلب ہوگا اے وہم و جذبات سے پاک عقل والو جو ایمان لائے ہو۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ پہلا جملہ یٰۤاُولِی الْاَلْبَاب پر ختم کر کے اَلَّذِیْنَ سے نیا جملہ شروع کیا جائے۔ ایسی صورت میں اَلَّذِیْنَ سے پہلے حرفِ ندا یٰۤاَیُّهَا محذوف ماننا ہوگا اور مطلب ہوگا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ نازل کر چکا ہے۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔ (آیت۔ 11) رَسُوْلًا کی نصب کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ اس کو سابقہ آیت میں ذِکْرًا کا بدل مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ وہ ذکر خود رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ رَسُوْلًا کو کسی فعل محذوف کا مفعول مانا جائے۔ ترجمہ میں ہم دوسری رائے کو ترجیح دیں گے اور رَسُوْلًا سے پہلے وَقَدْ اَرْسَلَ محذوف مانیں گے۔ (آیت۔12) مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَ کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ خَلَقَ کا مفعول ہے۔ اس کے ساتھ جمع مؤنث کی ضمیر هُنَّ آئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضمیر اَلْاَرْضِ کے لیے نہیں ہے بلکہ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ	عَتَتْ	عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا	وَرُسُلِهٖ	فَحَاسَبْنٰهَا
اور کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے	جنہوں نے سرکشی کی	اپنے رب کے حکم سے	اور اس کے رسولوں سے	تو ہم نے حساب لیا ان سے

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ	وَّعَذَّبْنٰهَا	عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸	فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا
جیسے سخت حساب لینے کا حق ہے	اور ہم نے عذاب دیا ان کو	جیسے بُرا عذاب دینے کا حق ہے	پھر انہوں نے چکھی اپنے کیے کی سزا

وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا	خُسْرًا ۝۹	اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ	عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ
اور ہے ان کے کام کا انجام	گھاٹا	تیار کیا اللہ نے ان کے لیے	ایک سخت عذاب

فَاتَّقُوا اللّٰهَ	يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۖۛ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۛ	قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ
توتقویٰ اختیار کرو	اے خالص عقل والو جو ایمان لائے	اتار دیا ہے اللہ نے

اِلَیْكُمْ	ذِكْرًا ﴿۱۰﴾	رَّسُوْلًا	یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ	اٰیٰتِ اللّٰهِ	مُبَیِّنٰتٍ
تمہاری طرف	ایک یاددہانی (قرآن)	(اور بھیج دیا ہے) ایک ایسا رسول جو	پڑھ کر سناتا ہے تم لوگوں کو	اللہ کی آیتیں	واضح ہوتے ہوئے

لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ	وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ
تاکہ وہ نکالیں ان لوگوں کو جو	ایمان لائے اور عمل کیے نیکیوں کے	اندھیروں سے نور کی طرف	اور جو ایمان لائے گا اللہ پر

وَیَعْمَلْ صَالِحًا	یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ	تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ
اور عمل کرے گا نیکی کا	تو وہ داخل کرے گا اس کو ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے دامن سے	نہریں	رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں ہمیشہ

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ	رِزْقًا ﴿۱۱﴾	اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ
خوبی دی ہے اللہ نے ان کے لیے	رزق میں	اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے	سات آسمان	اور زمین سے ان (آسمانوں) جیسی بھی (پیدا کیں)

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ	لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ	عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ
اترتے ہیں تمام احکام ان کے مابین	تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ	ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ	بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾
اور یہ کہ اللہ نے احاطہ کیا ہوا ہے	ہر چیز کا بلحاظ علم کے

نوٹ:1 یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ کے بعد اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے یہ بات نکلتی ہے کہ عقل اور ایمان میں لازم وملزوم کا رشتہ ہے۔ جو شخص عاقل ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایمان سے بہرہ ور ہو۔ اگر کوئی شخص ایمان سے بہرہ ور نہیں ہے تو آسمان وزمین کا طول وعرض ناپنے میں وہ خواہ کتنا ہی ماہر ہو لیکن اس کی عقل میں بہت بڑا فتور ہے۔ (تدبر قرآن)۔ مولانا اصلاحی مرحوم کی اس بات کو سمجھنے کے لیے آیت نمبر۔2/ البقرۃ:179) کی لغت میں مادہ ''ل ب ب'' کو دوبارہ دیکھ لیں۔ لُبّ جس کی جمع الباب ہے، خالص عقل کو کہتے ہیں، یعنی ایسی عقل جو ہر طرح کے تعصّبات، توہمات، جذبات اور ایسی دوسری آلائشوں سے پاک ہو۔ ایسی عقل میں اور ایمان میں لازم وملزوم کا رشتہ ہے۔ لیکن اگر کسی عقل میں مذکورہ آلائشوں میں سے کوئی آلائش یا کچھ آلائشیں داخل ہو جائیں تو پھر ایسی عقل میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذہن میں Blind Spots آجاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس کی عقل کچھ چیزوں کو سمجھنے میں پوری طرح کام کرتی ہے لیکن کچھ چیزوں کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے یا اگر سمجھتی ہے تو یہ آلائشیں اسے ان کا اعتراف اور اقرار کرنے سے روک دیتی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں اولی العقل کے بجائے ایمان لانے والوں کو اولی الالباب کہا گیا ہے۔ (مرتب)

نوٹ:2 مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ کا مطلب یہ ہے کہ جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنی میں نکال لائے۔ اس ارشاد کی پوری اہمیت اُس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عائلی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نت نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرے کے لیے فطری

قانون میسر نہیں آسکا جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ہم کو دیا تھا۔ یہاں اس تقابلی بحث کا موقع نہیں ہے۔ اس کا محض ایک مختصر سا نمونہ ہم نے اپنی کتاب ''حقوق الزوجین'' کے آخری حصہ میں درج کیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔ 6860

نوٹ:3

مِثْلَهُنَّ (انہی کی مانند) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اتنی ہی زمینیں بھی بنائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے متعدد آسمان اس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں۔ وَمِنَ الْاَرْضِ (اور زمین کی قسم سے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زمین جس پر انسان رہتے ہیں، اپنی موجودات کے لیے فرش اور گہوارہ بنی ہوئی ہے، اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اور زمینیں بھی تیار کر رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لیے فرش اور گہوارہ ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو قرآن میں یہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے کہ جاندار مخلوقات صرف زمین ہی پر نہیں ہیں بلکہ عالمِ بالا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ شوریٰ آیت۔ 29۔ بالفاظ دیگر آسمان میں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ویران نہیں ہیں بلکہ زمین کی طرح ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جن میں دنیائیں آباد ہیں۔

قدیم مفسرین میں صرف ابن عباسؓ ایک ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اُس دور میں اِس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور تک کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا کہ کائنات میں اس زمین کے سوا کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے۔ آج اس زمانے کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ چودہ سو برس پہلے کے لوگ اسے باور کر سکتے۔ اسی لیے ابن عباسؓ عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ان کی تفسیر یہ ہے ''اُن میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبیؐ جیسا اور آدم ہے تمہارے آدمؑ جیسا اور نوح ہے تمہارے نوحؑ جیسا اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیمؑ جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰؑ جیسا۔'' امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے البتہ اسے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہے اس لیے یہ ایک شاذ روایت ہے۔ (وجہ ظاہر ہے ابن عباسؓ اسے عام طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔ اور اغلباً سننے والے بھی اس قول کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہوں گے۔ مرتب) بعض دوسرے علماء نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس قول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح بنی آدم ہماری زمین میں حضرت آدمؑ کی طرف راجع ہوتے ہیں ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے ہاں دوسروں کی بہ نسبت اُسی طرح ممتاز ہیں جیسے ہمارے ہاں نوحؑ اور ابراہیمؑ ممتاز ہیں۔'' آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں ''ممکن ہے کہ زمینیں سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی سات ہی نہ ہوں۔ سات کے عدد پر، جو عددِ تام ہے، اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو۔'' پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی مسافت جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف کہتے ہیں کہ اس سے مراد ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکہ کے رانڈ کارپوریشن نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس گلیکسی میں واقع ہے صرف اُسی کے اندر تقریباً ساٹھ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات ہماری زمین سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہو۔ اکانومسٹ لندن۔ مورخہ۔ ۲۶۔ جولائی ۱۹۶۹ء۔ (تفہیم القرآن)۔

اوپر جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ایک Visionary صحابی تھے۔ ان کے اِس Vision کی تصدیق ان کے ایک دوسرے قول سے بھی ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ میں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں واحد لفظ عالم کے بجائے جمع عالمین آیا ہے۔ اس کے متعلق ان کا قول ہے کہ اللہ رب ہے اس عالَم کا بھی جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا جنہیں ہم نہیں جانتے۔ (مرتب)

6860

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التحریم (66)

آیت نمبر (1 تا 5)

ترکیب

آیت۔3) نَبَّاتْ کا فاعل اس میں شامل ھِیْ کی ضمیر سے جو بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ کے لیے ہے۔اس کا مفعول یہاں مذکور نہیں ہے جبکہ بِہٖ کی ضمیر راز والی بات کے لیے ہے۔اَظْھَرَ کے ساتھ ہٗ کی ضمیر مفعولی نبیؐ کے لیے ہے اور عَلَیْہِ کی ضمیر راز فاش کرنے والی بات کے لیے ہے۔عَرَّفَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو نبیؐ کے لیے ہے۔بَعْضَہٗ کی ضمیر اللہ کی دی ہوئی آگاہی کے لیے ہے۔فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ میں نَبَّاَ کا فاعل ھُوَ کی ضمیر ہے جو نبیؐ کے لیے ہے۔اس کے ساتھ ھَا کی ضمیر مفعولی بَعْضِ اَزْوَاجٍ کے لیے ہے اور بِہٖ کی ضمیر راز فاش کرنے والی بات کے لیے ہے۔(آیت۔4) اِنْ تَتُوْبَا شرط ہے اور فَقَدْ صَغَتْ جواب شرط ہے۔ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ میں تَظٰھَرَ باب تفاعل میں فعل ماضی کے تثنیہ مذکر غائب کا صیغہ نہیں ہے۔بلکہ یہ مضارع کے تثنیہ مؤنث غائب کا صیغہ تَتَظٰھَرَانِ ہے۔باب تفعل اور تفاعل کے مضارع کے جن صیغوں میں دو 'تا' آجاتی ہیں وہاں ایک تا کو گرا دینا جائز ہے۔اس لیے یہاں ایک تا گری ہوئی ہے اور اِنْ شرطیہ کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔(آیت۔5) یُبْدِلَہٗ میں لَہٗ پر حرف جارّہ والا لام نہیں ہے بلکہ یہ فعل کے مادہ 'ب دل' والا لام ہے۔یعنی یہ دراصل یُبْدِلَ ہٗ ہے۔مُسْلِمٰتٍ سے سٰٓئِحٰتٍ تک کی صفات کے درمیان میں کہیں بھی واؤ نہیں آئی ہے لیکن ثَیِّبٰتٍ اور اَبْکَارًا کے درمیان واؤ لائی گئی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مُسْلِمٰتٍ سے سٰٓئِحٰتٍ تک کی تمام صفات کسی ایک خاتون میں بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی خاتون ایک ہی وقت میں ثَیِّبٰتٍ میں سے بھی ہو اور اَبْکَارًا میں سے بھی۔اس توجیہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی چھان پھٹک کی ہے اور تدبرِ قرآن کا حق ادا کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی عرق ریزیوں سے کما حقہ استفادہ کریں۔

ترجمہ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ	مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ	تَبْتَغِیْ	مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ
اے نبیؐ آپؐ کیوں حرام کرتے ہیں	اس کو جسے حلال کیا اللہ نے آپؐ کے لیے	آپ جستجو کرتے ہیں	اپنی ازواج کے راضی ہونے کی

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ①	قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ	تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ۚ	وَاللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ
اور اللہ بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	فرض کر دیا ہے اللہ نے آپؐ لوگوں کے لیے	اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کو	اور اللہ ہی آپؐ لوگوں کا کارساز ہے

وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ②	وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ	اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ	حَدِیْثًا ۚ
اور وہ ہی جاننے والا ہے حکمت والا ہے	اور جب راز دارانہ بتائی نبیؐ نے	اپنی ازواج کی کسی کو	ایک بات

فَلَمَّا نَبَّاَتْ	بِهٖ	وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ	عَلَيْهِ
پھر جب انہوںؓ (زوجہ) نے بتادیا (کسی کو)	اس (راز) کے بارے میں	اور آگاہ کیا ان کو اللہ نے	اس (راز فاش ہونے) پر

عَرَّفَ	بَعْضَهٗ	وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ
تو آپؐ نے بتایا	اس (آگاہی) کے بعض کو	اور اعراض کیا بعض سے

فَلَمَّا نَبَّاَهَا	بِهٖ	قَالَتْ	مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ
پھر جب آپؐ نے جتلایا انؓ (زوجہ) کو	اس کے بارے میں	تو انہوں (زوجہ) نے کہا	کس نے خبر دی آپؐ کو اس کی

قَالَ نَبَّاَنِيَ	الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۳	اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ	فَقَدْ صَغَتْ
آپؐ نے کہا بتلایا مجھ کو	اُس علیم خبیر (ہستی) نے	اگر تم دونوں توبہ کرو اللہ کی طرف	تو مائل تو ہو چکے ہیں

قُلُوْبُكُمَا ۚ	وَاِنْ تَظٰهَرَا	عَلَيْهِ	فَاِنَّ اللّٰهَ
تم دونوں کے دل	اور اگر تم دونوں باہم مدد کرو گی	اِن (نبیؐ) کے خلاف	تو بیشک اللہ (جو) ہے

هُوَ مَوْلٰىهُ	وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	بَعْدَ ذٰلِكَ
وہ ہے ان کا کارساز	اور جبریلؑ اور مومنوں کا صالح (بھی)	اور فرشتے	اس کے بعد

ظَهِيْرٌ ۝۴	عَسٰى رَبُّهٗۤ	اِنْ طَلَّقَكُنَّ	اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ
مددگار ہیں	قریب ہے ان کا رب	اگر وہ طلاق دیں تم عورتوں کو	کہ وہ بدلہ میں دے ان کو

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ	مُسْلِمٰتٍ	مُّؤْمِنٰتٍ	قٰنِتٰتٍ	تٰٓئِبٰتٍ
ایسی بیویاں جو بہتر ہوں گی تم سے	حق کو قبول کرنے والیاں	ایمان لانے والیاں	اطاعت کو لازم کرنے والیاں	توبہ کرنے والیاں

عٰبِدٰتٍ	سٰٓئِحٰتٍ	ثَيِّبٰتٍ	وَّاَبْكَارًا ۝۵
عبادت کرنے والیاں	روزے دار ہونے والیاں	شوہر آشنا ہونے والیاں ہوتے ہوئے	اور (یا) کنواریاں ہوتے ہوئے

نوٹ: 1

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے پاس چکر لگاتے تھے۔ ایک موقعہ پر آپؐ حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر تک بیٹھنے لگے، کیونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور آپ وہاں شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھ کو اس پر رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ سے مل کر یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپؐ آئیں وہ آپؐ سے یہ کہے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس میں کچھ بساند ہوتی ہے اور اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو اس کے اندر بھی اس بساند کا اثر آجاتا ہے۔ جب متعدد بیویوں نے یہ کہا تو آپؐ نے عہد کرلیا اب یہ شہد استعمال نہیں کریں گے۔ (تفہیم القرآن)۔ آیت۔1 میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

نوٹ: 2

اوپر کی آیت میں خطاب صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا جبکہ آیت۔2 میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹوکنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ اس کے سبب سے اُمت کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کرنے کی قسم کھا بیٹھے تو اللہ نے اس کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے۔ اور کفارہ کا حکم المائدہ کی آیت۔89 میں بیان ہو چکا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔3۔ میں قرآن نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا راز کی بت کہی اور کس بیوی سے کہی۔ قرآن نے اس کو پردے ہی میں رکھا ہے۔ اس وجہ سے ہم اس راز کے درپے ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ہمارے لیے ماؤں کی منزلت میں ہیں۔ بیٹوں کے لیے یہ بات کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی ماؤں کے رازوں کے کھوج میں لگیں۔ بالخصوص جب کہ اس راز کے انکشاف سے اس آیت کے فہم میں کوئی مدد بھی نہ مل رہی ہو۔ یہاں راز کو فاش کرنے پر ہی تنبیہہ کی گئی ہے۔ اب اگر ہم اس کے درپے ہوں گے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے، ہم نے اسی کا ارتکاب کیا۔ (تدبر قرآن)۔

راز ظاہر کرنے پر یہاں اس لیے ٹوکا گیا ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات بلکہ مسلم معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کی بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی تربیت دی جائے۔ آیت میں اس سوال کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ جس راز کی بات کو افشا کیا گیا تھا وہ کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں اور اس کے افشا سے کسی نقصان کا خطرہ تھا یا نہیں۔ گرفت اس امر پر کی گئی ہے کہ راز کی بات کو دوسرے سے بیان کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ذمہ دار ہستی کے گھر والوں میں اگر یہ کمزوری موجود ہو تو آج ایک غیر اہم راز افشا ہوا ہے، کل کوئی اہم راز افشا ہوسکتا ہے۔ کسی وقت بھی یہ کمزوری کسی بڑے خطرے کا سبب بن سکتی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (6تا9)

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	قُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا	وَّقُوْدُهَا
اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ بچاؤ	اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ایک ایسی آگ سے	جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ	غِلَاظٌ شِدَادٌ	لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ
انسان اور پتھر ہیں	اس (آگ) پر ایسے فرشتے (مقرر) ہیں جو	انتہائی سخت ہیں	وہ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی

مَآ اَمَرَهُمْ	وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ
اس میں جو اس نے حکم دیا ان کو	اور کرتے ہیں وہ (ہی) جو انہیں حکم دیا گیا	اے لوگو جنہوں نے انکار کیا	تم لوگ بہانے مت گھڑو آج کے دن

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ ع	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
تم کو تو بس بدلہ دیا جاتا ہے وہی جو	تم لوگ کیا کرتے تھے	اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ توبہ کرو اللہ سے

تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ	عَسٰى رَبُّكُمْ	اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ	سَيِّاٰتِكُمْ	وَيُدْخِلَكُمْ	جَنّٰتٍ
انتہائی خالص توبہ	قریب ہے تمہارا رب	کہ وہ دور کر دے تم سے	تمہاری برائیوں کو	اور وہ داخل کر دے تم کو	ایسے باغات میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ	يَوْمَ	لَا يُخْزِي اللّٰهُ	النَّبِيَّ	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ
بہتی ہیں جن کے دامن سے نہریں	اس دن جب	رسوا نہیں کرے گا اللہ	اِن نبیؐ کو	اور ان کو جو ایمان لائے انؐ کے ساتھ

1860 اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا	یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ	بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ	نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی
تو پورا کردے ہمارے لیے ہمارے نور کو	وہ لوگ کہتے ہوں گے اے ہمارے رب	ان کے آگے اور ان کے داہنی جانب	ان کا نور دوڑتا ہوگا

الۡکُفَّارَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ	یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ	اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ⑧	وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ
کافروں اور منافقوں سے	اے نبی آپ جہاد کریں	بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	اور تو بخش ہمارے لیے (ہمارے گناہوں کو)

وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ⑨	وَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ	وَ اغۡلُظۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ
اور کتنی بری ہے (وہ) لوٹنے) کی جگہ	اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے	اور آپ سختی کریں ان پر

نوٹ:1

آیت۔7) بتارہی ہے کہ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اپنی ذات ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ نظامِ فطرت نے جس خاندان کی سربراہی کا بار اس پر ڈالا ہے اس کو بھی وہ اپنی حدِّ استطاعت تک ایسی تعلیم و تربیت دے جس سے وہ خدا کے پسندیدہ انسان بنیں اور اگر وہ جہنم کی راہ پر جارہے ہوں تو جہاں تک بھی اس کے بس میں ہو، ان کو اس سے روکنے کی کوشش کرے۔ اس کو صرف یہی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ اس کے بچے دنیا میں خوشحال ہوں، بلکہ اس سے بڑھ کر اسے یہ فکر ہونی چاہیے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تم میں سے ہر ایک راعی (چرواہا) ہے اور ہر ایک اپنی رعیت (گلے) کے بارے میں جوابدہ ہے۔ حکمراں راعی ہے اور وہ اپنی رعیت رعایا) کے معاملہ میں جوابدہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔'' (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوفِ عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر توبہ کی ہو۔ حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہوں ان کی قضا (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (۵) آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے دیکھا، اسی طرح اب وہ اسے اللہ کی اطاعت کرتے دیکھ لے۔ حضرت علیؓ نے جو توبہ کی شرائط بیان کی ہیں وہ سب کے ہی نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر اور بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (10 تا 12)

ترکیب

(آیت۔10) ضَرَبَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے مَثَلًا حالت نصب میں ہے، جبکہ اِمۡرَاَتَ کی نصب مَثَلًا کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک نوٹ کرنے والی بات یہ ہے اِن آیات زیرِ مطالعہ میں تینوں جگہ اِمۡرَاَۃ کو گول تے سے لکھنے کے بجائے لمبی تے سے اِمۡرَاَتَ لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں کوئی۔ 16۔ 17۔ مقامات پر اس کو لمبی تے سے لکھا گیا ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن قاری حضرات کا کہنا ہے کہ قراءت میں فرق پڑتا ہے۔ جہاں یہ لفظ گول تے سے لکھا ہے وہاں اگر سانس ٹوٹنے کی وجہ سے وقف کرنا ہو تو چھوٹی ہا کی آواز کے ساتھ اِمۡرَاَہ کہ کر وقف کریں گے۔ اور جہاں یہ لمبی تے سے لکھا ہے وہاں تا کی آواز کے ساتھ امرات کہہ کر وقف کریں گے پھر پیچھے سے ملا کر پڑھنا شروع کر دیں گے۔

لیکن حال ہی میں اس کی ایک اور وجہ سامنے آئی ہے۔ اسلام سے پانچ سو سال قبل کی نبطیوں کی Inscrptions (کندہ تحریریں) دریافت ہوئی ہیں، جہاں سے عربی رسم الخط آیا ہے۔ ان کے ہاں گول تے (ۃ) کو لمبی ت (ت) سے لکھنا ثابت ہے۔ اس لیے عربی زبان کے عبوری دور میں لمبی اور گول تا میں تمیز کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ بعد میں کوفہ اور بصرہ میں جب عربی گرامر مرتب کرنے کا کام ہوا، اس وقت یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے ان کے بھی قاعدے طے کیے گئے۔ 6860

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ صَالِحِيْنَ (جمع کا صیغہ) نہیں ایا ہے بلکہ صَالِحَيْنِ (تثنیہ کا صیغہ) آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عِبَادَنَا کی صفت نہیں ہے بلکہ عَبْدَيْنِ کی صفت ہے۔ يُغْنِيَا میں شامل هُمَا کی ضمیر فاعلی عَبْدَيْنِ کے لیے ہے جبکہ عَنْهُمَا کی ضمیر دونوں خواتین کے لیے ہے۔ آیت۔ 11) رَبِ ابْنِ میں لفظ اِبْنٌ (بیٹا نہیں ہے بلکہ یہ مادہ ''ب ن ی'' کا فعل امر ہے۔ اس کی اصل شکل اِبْنِیْ ہے۔ قاعدے کے مطابق مجزوم ہونے کی وجہ سے یا گر جاتی ہے تو اِبْنِ استعمال ہوتا ہے۔ (آیت۔12) كَانَتْ مؤنث ہے اس لحاظ سے اس کی خبر مِنَ الْقٰنِتٰتِ آنی چاہیے تھی مگر مذکر قَانِتِيْنَ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قَانِتُوْنَ کے لفظ میں مرد اور عورت سب شامل ہیں اس لیے قَانِتِيْنَ لانا بھی جائز ہے۔ (حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن کیسٹ سے ماخوذ۔ اِن کیسٹوں کی ریکارڈنگ ۱۹۸۷ یا ۱۹۸۸ء میں ہوئی تھی)

ترجمہ

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا	امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ	كَانَتَا
بیان کرتا ہے اللہ ایک مثال	ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا	نوحؑ کی عورت (بیوی) اور لوطؑ کی عورت (بیوی) کی	وہ دونوں تھیں

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ	فَخَانَتٰهُمَا
ہمارے بندوں مین سے دو نیک بندوں کے تحت	پھر ان دونوں (خواتین) نے خیانت کی ان دونوں (بندوں) سے

فَلَمْ يُغْنِيَا	عَنْهُمَا	مِنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا	وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ
تو وہ دونوں (بندے) کام نہ آئے	ان دونوں (خواتین) کے	اللہ سے (چھڑانے میں)	کچھ بھی	اور کہا گیا تم دونوں داخل ہو آگ میں

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾	وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا	لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ
داخل ہونے والوں کے ساتھ	اور ربیان کرتا ہے اللہ ایک مثال	ان کے لیے جو ایمان لائے	فرعون کی عورت (بیوی) کی

اِذْ قَالَتْ رَبِّ	ابْنِ لِيْ	عِنْدَكَ	بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
جب اس (خاتون) نے کہا اے میرے رب	تو تعمیر کر دے میرے لیے	اپنے پاس	ایک گھر جنت میں

وَنَجِّنِيْ	مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ	وَنَجِّنِيْ	مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾
اور تو نجات دے مجھ کو	فرعون اور اس کے عمل سے	اور تو نجات دے مجھ کو	اِس ظالم قوم سے

وَمَرْيَمَ	ابْنَتَ عِمْرٰنَ	الَّتِيْ	اَحْصَنَتْ
اور مریم کی (مثال)	جو عمران کی بیٹی تھیں	وہ (بیٹی) جنہوں نے	حفاظت کی

فَرْجَهَا	فَنَفَخْنَا فِيْهِ	مِنْ رُّوْحِنَا	وَصَدَّقَتْ	بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا
اپنی عصمت کی	تو ہم نے پھونکا اس میں	اپنی روح میں سے	اور انہوں نے تصدیق کی	اپنے رب کے فرمانوں کی

وَ كُتُبِہٖ	وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ؑ ⑫ 6860
اوراس کی کتابوں کی	اوروہ تھیں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے

نوٹ:1 آیت۔10 میں خیانت اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ بدکاری کی مرتکب ہوئی تھیں بلکہ اس معنی میں ہے کہ انہوں نے ایمان کی راہ میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کا ساتھ نہ دیا بلکہ ان کے مقابلہ میں دشمنانِ دین کا ساتھ دیتی رہیں۔(تفہیم القرآن)۔

اس آیت میں مثال پیش کی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی چیز آدمی کا اپنا عمل ہے۔جس کے پاس حسنِ عمل کی پونجی ہوگی اس کو کسی بڑے سے بڑے کی نسبت بھی کچھ نفع پہنچانے والی نہیں بن سکے گی۔آخرت کی جوابدہی سے سب سے زیادہ بے پرواہی اہل مذاہب کے اندر اس وہم نے پیدا کی کہ انہوں نے خیال کیا کہ وہ اللہ کے محبوبوں اور برگزیدہ لوگوں کی اولاد ہیں، اس وجہ سے دوزخ کی آگ ان کو نہیں چھوئے گی۔ یہود اور نصاریٰ اسی فتنہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔اس کے ساتھ ہی زیر مطالعہ آیات میں یہ امر خاص توجہ کے لائق ہے کہ برائی کی مثال کے لیے بھی عورتوں ہی کا انتخاب کیا ہے اور بھلائی کی مثال کے لیے بھی انہی کے نام لیے ہیں۔اس سے مقصود اس عام غلط فہمی کو رفع کرنا ہے کہ تمام برائی کا سرچشمہ عورت ہی ہے۔اپنی خلقت کے اعتبار سے عورت بھی خیر وشر دونوں صلاحیتوں کی حامل ہے۔ اس کا انحصار اس کے ارادہ اور اختیار کے استعمال پر ہے۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 یہ سورہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں چند واقعات کی طرف اشارہ کرکے چند اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ ایک یہ کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔عام انسان تو درکنار، خود اللہ کے نبی ﷺ کی طرف بھی اس کا کوئی حصہ منتقل نہیں کیا گیا۔

2۔ دوسرے یہ کہ انسانی معاشرہ میں نبی کا مقام انتہائی نازک مقام ہے۔ایک معمولی سی بات جو کسی دوسرے انسان کی زندگی میں چنداں اہمیت نہیں رکھتی، نبی کی زندگی میں اگر پیش آجائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کرجاتی ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی زندگی پر کڑی نگرانی رکھی گئی ہے کہ ان کا کوئی ادنیٰ اقدام بھی منشاء الٰہی سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ایسا کوئی فعل اگر نبی سے کبھی صادر ہوا ہے تو اس کی اصلاح کردی گئی ہے تاکہ اسلامی قانون اور اس کے اصول اپنی بالکل صحیح صورت میں نہ صرف خدا کی کتاب بلکہ نبی کے اُسوہ کی صورت میں بھی خدا کے بندوں تک پہنچ جائیں۔

3۔ تیسری بات جو مذکورہ بالا نکتہ سے خود بخود نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ذرا سی بات پر جب نبی ﷺ کو ٹوک دیا گیا اور نہ صرف اس کی اصلاح کی گئی بلکہ اسے ریکارڈ پر بھی لے آیا گیا، تو یہ چیز ہمارے دل میں قطعی طور پر یہ اطمینان پیدا کردیتی ہے کہ حیات طیبہ میں جو اعمال وافعال اور جو احکام وہدایات ہمیں اب ملتے ہیں، اور جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت یا اصلاح ریکارڈ پر موجود نہیں ہے وہ سراسر اللہ کی مرضی سے پوری مطابقت رکھتے ہیں۔

4۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جس رسولِ مقدس کی عزت وحرمت کو اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کے حق میں لازمۂ ایمان قرار دیتا ہے اور جن ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ خود اہلِ ایمان کی ماں قرار دیتا ہے، انہی کو اس نے اس سورہ میں تنبیہہ فرمائی ہے اور پھر یہ خفیہ طور پر نہیں کی گئی بلکہ اُس کتاب میں درج کردی گئی جسے تمام اُمت کو ہمیشہ تلاوت کرنا ہے۔ظاہر ہے کہ کتاب اللہ میں اس کا ذکر کا منشا یہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور امہات المؤمنین کو اہلِ ایمان کی نگاہوں میں گرادینا چاہتا تھا۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی یہ سورۂ پڑھ کر کسی مسلمان کے دل سے ان کا احترام اٹھ نہیں گیا۔اب قرآن میں یہ ذکر لانے کی مصلحت اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے بزرگوں کے احترام کی صحیح حدود سے آشنا کرنا چاہتا ہے۔نبی کا احترام اس بنا پر نہیں ہے کہ اس سے لغزش کا صدور ناممکن ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مرضیٔ الٰہی کا مکمل نمائندہ

ہے۔اسی طرح سے صحابۂ کرامؓ ہوں یا ازواج مطہرات، یہ سب انسان تھے،فرشتے یا فوق البشر نہ تھے۔ان سے غلطیوں کا صدور ہوسکتا تھا۔ ان کو جو مرتبہ بھی حاصل ہوا اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ کی رہنمائی اور اللہ کے رسول کی تربیت نے ان کو انسانیت کا بہترین نمونہ بنا دیا تھا۔اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ یا ازواج مطہرات سے بشریت کی بنا پر جب بھی کسی غلطی کا صدور ہوا،تو اس پر ٹوکا گیا۔ان کی بعض غلطیوں کی اصلاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی جن کا ذکر احادیث میں بکثرت آیا ہے اور بعض غلطیوں کا ذکر قرآن مجید میں کر کے اللہ تعالیٰ نے خود ان کی اصلاح کی تا کہ مسلمان بھی بزرگوں کے احترام کا کوئی ایسا مبالغہ آمیز تصور نہ قائم کر لیں جو انہیں انسانیت کے مقام سے اٹھا کر دیویوں اور دیوتاؤں کے مقام پر پہنچا دیں۔

5۔ پانچویں بات جو اس سورہ میں کھول کر بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین بالکل بے لاگ ہے۔اس میں ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کا وہ اپنے ایمان واعمال کے لحاظ سے مستحق ہو۔کسی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ نسبت بھی اس کے لیے قطعاً نافع نہیں ہے اور کسی بری سے بری ہستی کے ساتھ نسبت بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔اس معاملہ میں تین قسم کی عورتوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ایک مثال حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کی ہے۔انبیاء کی بیویاں ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی مستحق ہوئیں۔دوسری مثال فرعون کی بیوی کی ہے، جو اگرچہ ایک بدترین دشمن خدا کی بیوی تھیں لیکن اُس جیسے کافر کی بیوی ہونا بھی ان کے لیے کسی نقصان کا موجب نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کا مستحق بنا دیا۔تیسری مثال حضرت مریم کی ہے جنہیں یہ مرتبۂ عظیم اس لیے ملا کہ اللہ نے جس شدید آزمائش میں انہیں ڈالنے کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے لیے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔اور ایک سچی مومنہ کی حیثیت سے وہ سب کچھ برداشت کرنا قبول کر لیا جو اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لیے برداشت کرنا ناگزیر تھا۔تب اللہ نے ان کو سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ فِی الْجَنَّۃِ کے مرتبۂ عالی پر سرفراز فرمایا۔

ان امور کے علاوہ ایک اور اہم حقیقت جو اس سورہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف وہی علم نہیں آتا تھا جو قرآن مجید میں درج ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے دوسری باتوں کا علم بھی دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں کیا گیا ہے۔اس کی صریح دلیل اس سورہ کی آیت 3۔ ہے۔اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ محترمہ کو بتایا کہ راز فاش کرنے کی خبر ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں وہ آیت کہاں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی تھی۔ اگر ایسی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے تو یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔اس سے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کے سوا اور کوئی وحی نہیں آتی تھی۔

(تفہیم القرآن، ج۶۔ص۱۰ تا ۱۴ سے ماخوذ)